حکمتِ اقبال (۶۰)

ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

خودی اور علومِ مروّجہ (۴)

انسانی علوم کی صحیح تدوین کی بنیادی شرط

اُوپر کسی قدر تفصیل کے ساتھ بعض ایسے حقائق کو پیش کیا گیا ہے جن سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ فطرتِ انسانی کی لاعلمی نوعِ انسانی کے لیے کیا کیا بُرے نتائج پیدا کرتی ہے اور کیوں۔ ان حقائق کی روشنی میں یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ میکڈوگل فطرتِ انسانی کی لاعلمی کو اپنی تہذیب کے لیے ایک عظیم خطرہ کیوں سمجھتا ہے۔ اس کا یہ خیال درست ہے کہ فطرتِ انسانی کے علم کے بغیر یہ جاننا ممکن نہیں کہ انسانی اور اجتماعی علوم کی وہ "بنیادی حقیقت" کیا ہے جو ان کی "تدوین کے طریق کار" کی طرف راہنمائی کر سکتی ہے اور جس کے مرکز کے اردگرد ان علوم کو معقول اور مدلل سائنسی علوم کے طور پر منظم کیا جا سکتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اُسے یہ علوم نہیں کہ خارجی اور مادی کائنات کے علوم کی طرح داخلی اور غیر مادی فطرتِ انسانی کا علم فقط "قوم کے بہترین دماغوں" کی ذہنی کاوشوں اور کوششوں سے حاصل نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کی پہلی شرط یہ ہے کہ انسان اپنی فطرت کے اندر خود نگاہ ڈال کر دیکھے کہ وہاں کیا ہے۔ اور اس کا طریق یہ ہے کہ وہ خدا کی عبادت (جس میں اطاعت بھی شامل ہے) کے ذریعہ سے خدا کی محبت کی پُوری پُوری نشوونما کرے جو نبوت کی پیروی کے بغیر ممکن نہیں۔ پھر اس تجربہ کی کامیابی اس حقیقت کا درجۂ اول کا روشن ثبوت ہوگی کہ انسان کی فطرت خدا کی محبت کا ایک جذبہ ہے اور اس کے علاوہ اور کچھ نہیں، کیونکہ یہ ثبوت ذاتی تجربہ پر اور ایک طرح کی چشم دید حقیقت پر مبنی ہوگا۔ تاہم اس کے عقلی اور علمی دلائل بھی موجود ہوں گے اور وہ خطا سے مبرّا ہوں گے۔

گر دلیلت باید از وے رو متاب
آفتاب آمد دلیل آفتاب

فطرتِ انسانی کا علم اور علوم کی طرح نہیں کہ اس میں خارجی تجربوں اور فکر و استدلال کی جدتوں

سے قدم آگے اٹھ سکے۔ یہاں ہم علم کے اس میدان میں آ نکلتے ہیں جہاں ہمارا سابقہ حقیقت کائنات کے خارجی، مادی اور حیاتیاتی مظاہر سے نہیں بلکہ براہ راست حقیقت کائنات سے پڑتا ہے۔ لہٰذا فطرت انسانی کا علم حاصل کرنے کے لیے ہمیں حقیقت کائنات کے ساتھ، جو فطرت انسانی کا مقصود اور مطلوب ہے، ذاتی رابطہ پیدا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی رابطہ کا نام عبادت ہے اور اسی سے فطرت انسانی کے اصلی اور قدرتی مقصود اور مطلوب کی ذاتی تصدیق ہوتی ہے۔ فطرت انسانی کے علم کی اہمیت کے باوجود اس کے علم کے راستہ کی اسی مشکل کے پیش نظر خدا نے ایک لاکھ سے بھی زیادہ انبیاء کو مبعوث فرمایا اور آخر کار تعلیم نبوت کو ایک خاتم الانبیاء کے ذریعہ سے مکمل کیا، جس کا نچوڑ یہ ہے کہ اے لوگو! اس خدا کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا ہے تاکہ تم اپنے آپ کو اور اپنے خدا کو پہچان سکو۔ (یَا اَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ)

ذاتی تجربہ سے خودی کے ارتقاء کی بلندترین منزلوں تک پہنچ کر خودی کو واشگاف دیکھنے کے بغیر قوم کا بہترین دماغ بھی زیادہ سے زیادہ کچھ افکار و تصورات کو جمع کر کے ان کو فطرت انسانی کا نام دے لے گا لیکن اس سے خودی کے سربستہ اسرار و رموز منکشف نہیں ہوں گے۔ لہٰذا اقبال ماہر نفسیات کو خطاب کر کے کہتا ہے کہ ذہنی افکار و تصورات کی دنیا سے گزر کر قلبی واردات اور احساسات کی دنیا میں آؤ۔ اگرچہ اس کام کے لیے ذرا جرأت اور ہمت کی ضرورت ہے۔ تم شاید سمجھتے ہو کہ تم نے اپنے ذہنی افکار کی مدد سے انسانی خودی کو بڑی حد تک سمجھ لیا ہے۔ لیکن تمہیں معلوم نہیں کہ خودی کے بحر بیکراں میں ابھی اسرار و رموز کے بہت سے جزیرے چھپے ہوئے ہیں۔ انسان کی خودی ایک گہرا اور خاموش سمندر ہے۔ جب تک ہم حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی طرح ضرب عصا سے اس سمندر کو چیر کر نہ دیکھیں ہم نہیں جان سکتے کہ اس کے اندر کیا ہے۔ لیکن یہ سمندر عصائے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی ضرب سے ہی چیرا جا سکتا ہے

جرأت ہے تو افکار کی دنیا سے گزر جا

ہیں بحر خودی میں ابھی پوشیدہ جزیرے
کھلتے نہیں اس قلزم خاموش کے اسرار
جب تک تو اسے ضرب کلیمی سے نہ چیرے

عبادت کے ذریعہ سے خدا کی محبت کی نشوونما کا شف اسرار خودی اس لیے ہے کہ اگر وہ

جاری رہے تو بندۂ مومن ایک ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں اُسے مستقل اور مکمل اطمینان قلب حاصل ہو جاتا ہے اور وہ یقین کر لیتا ہے کہ اُس کے دل میں سوائے خدا کی محبت کے اور کسی چیز کی تمنا موجود نہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر خدا انسان کا محبوب اور انسان کی فطرت کا مقصود اور مطلوب نہ ہو تو خدا کے ذکر سے اس کو اطمینان قلب کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے انسان کو اس حقیقت کی طرف بڑے زوردار الفاظ سے توجہ کیا ہے کہ دلوں کو خدا کے ذکر سے ہی اطمینان حاصل ہوتا ہے (الا بذکر اللہ تطمئن القلوب) تاکہ انسان سمجھ لے کہ اس کا قدرتی مقصود خدا ہی ہے۔

اقبال لکھتا ہے:

"فلسفہ کا کام اشیاء کا علمی مطالعہ ہے اور اس حیثیت سے وہ ایسے تصور سے آگے بڑھنے کی فکر نہیں کرتا جو تجربے کی گوناگوں انواع کو ایک نظام میں منسلک کر دیتا ہے۔ گویا وہ حقیقت کا مشاہدہ دُور سے کرتا ہے۔ اس کے برعکس مکاشفہ قلبی حقیقت کو قریب سے دیکھتا ہے۔ اول الذکر محض نظریہ ہے اور آخر الذکر یعنی مکاشفہ ایک زندہ تجربہ، حقیقت کے ساتھ ایک رابطہ اور اس کے قرب کے حصول کا ایک ذریعہ ہے۔ یہ قرب حاصل کرنے کے لیے فکر کو اپنی سطح سے بلند ہونا چاہیے اور اپنی تکمیل قلب کے اس رجحان کی شکل میں کرنا چاہیے جسے مذہب کی زبان میں عبادت کہتے ہیں اور یہی لفظ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکلنے والے آخری الفاظ میں سے ایک تھا۔" (خطبات)

اگر آدمی علم کی حد سے گزر کر عبادت کے میدان میں قدم رکھے تو وہ محبت کی شیرینی اور محبوب کے دیدار کی نعمت دونوں خوش بختیوں سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔

علم کی حد سے پرے بندۂ مومن کے لیے
لذّتِ شوق بھی ہے نعمتِ دیدار بھی ہے

خدا کے تصور سے مغربی حکماء کا گریز

لیکن مغرب کا ماہر نفسیات ایک ایسے علمی ماحول کی پیداوار ہے جہاں حسی صداقت کا غیر عقلی عقیدہ علم کی ابتدا اور انتہا ہے اور جہاں خدا کا علم سے اور علم کا خدا سے کوئی علاقہ نہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ نفسیات انسانی کے اسرار و رموز کو سمجھنے کے لیے عبادت کے ذریعہ سے خدا سے براہ راست رابطہ پیدا کرنا

اور خدا کا دیدار کرنا تو درکنار وہ سرے سے خدا کا نفسیات سے کوئی تعلق ہی نہیں سمجھتا، بلکہ اپنے علم کو علم کی حیثیت سے محفوظ رکھنے کے لیے خدا کے تصور سے بھاگتا ہے۔ یہاں تک کہ جب اس کے قدرتی اور بے ساختہ استدلال کا بہاؤ اور ناقابل انکار حقائق کا زور اُسے کشاں کشاں خدا کے تصور کی طرف لیے جارہا ہو تو وہ گھبرا کر رک جاتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ حقائق کی کوئی اور توجیہ کرے جس سے اس کا استدلال اُس راستہ سے ہٹ جائے جو خدا کے تصور کی طرف جاتا ہے۔ فلسفۂ خودی کا مرکزی تصور یہ ہے کہ انسان کی خودی خدا کی محبت کا ایک جذبہ ہے یا دوسرے لفظوں میں خدا کی محبت انسانی اعمال کی قوتِ محرکہ ہے۔ لیکن یہ تصور ایک اور تصور سے بطور ایک نتیجہ کے اخذ ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان کی خودی نصب العین کی محبت کا ایک جذبہ ہے یا دوسرے لفظوں میں نصب العین کی محبت انسانی اعمال کی قوتِ محرکہ ہے۔ عملی طور پر اس دوسرے بیان کا جو مفہوم نکلتا ہے اُسے ظاہر کرنے کے لیے اس میں الفاظ "نصب العین" کی بجائے لفظ "خدا" رکھنا علمی اور عقلی نقطۂ نظر سے ضروری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صرف ایک ہی نصب العین ہے جو انسان کو مکمل اور مستقل طور پر مطمئن کرسکتا ہے۔ لہٰذا نصب العین کی محبت کا جذبہ انسان کی فطرت کی رُو سے خدا ہی کے لیے ہے۔ اگر کوئی شخص یہ مان لے کہ نصب العین کی محبت کا جذبہ انسان کے اعمال کی قوتِ محرکہ ہے تو پھر اُسے یہ ماننے سے کوئی چارہ نہیں رہتا کہ خدا کی محبت کا جذبہ انسان کے اعمال کی قوتِ محرکہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغرب کے حکماء فطرتِ انسانی میں نصب العین کو انسانی اعمال کی قوتِ محرکہ کے طور پر تسلیم کرنے سے گریز کرتے ہیں۔

اس کی مثال خود انسانی اعمال کی قوتِ محرکہ کے وہ نظریات ہیں جنہوں نے مغرب میں جنم لیا ہے اور جو فرائڈ، ایڈلر، میکڈوگل اور کارل مارکس اور مغرب کے دوسرے حکماء کی طرف منسوب ہیں۔ مغرب کے ان حکماء میں سے ہر ایک یہ مانتا ہے کہ انسانی افراد نصب العینوں سے محبت کرتے ہیں اور نصب العین کی محبت ہی کی وساطت سے بظاہر انسان کے تمام افعال ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اس مسئلہ سے یہ نتیجہ ناگزیر تھا کہ انسان میں نصب العین کی محبت کسی جبلّت سے یا جبلتوں کے کسی مجموعہ سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ فطرتِ انسانی میں اپنا مستقل وجود رکھتی ہے اور وہی انسان کے تمام اعمال کی قوتِ محرکہ ہے۔ لیکن پھر یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ جبلتوں کی تشفی جس طریق سے ہوتی ہے وہ تو سب کو معلوم ہے اور یہ بھی سب جانتے

ہیں کہ قدرت میں اُن کا مقصد فرد کی زندگی کی نشوونما ہے۔ لیکن نصب العین کی محبت کی تشفی کا طریق کیا ہے اور قدرت میں نصب العین کی محبت کا مقصد کیا ہے؟ اس سوال کا معقول جواب سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا کہ چونکہ نصب العین حسن، نیکی اور صداقت کا ایک تصور ہوتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ اس کی محبت کی مستقل اور مکمل تشفی ایک ایسے نصب العین سے ہی ہو سکتی ہے جس میں حسن، نیکی اور صداقت کے اوصاف بدرجۂ کمال موجود ہوں۔ اور ایسا تصور سوائے خدا کے اور کوئی نہیں ہو سکتا اور قدرت میں نصب العین کی محبت کا مقصد فرد کی شخصیت کی نشوونما ہے جو حسن، نیکی اور صداقت کی طلب گار ہے۔ لیکن اُن حکماء میں سے ہر ایک نے خدا کے تصور کے نتیجہ سے بچنے کے لیے اس طرح سوچا کہ اعمالِ انسانی پر نصب العین کی حکمرانی سے انکار ممکن نہیں، لہٰذا یہ کہا جائے کہ نصب العین کی اپنی کوئی حقیقت نہیں بلکہ وہ کسی نہ کسی جبلّت کا یا جبلّتوں کے کسی مجموعہ کی بگڑی ہوئی یا بدلی ہوئی شکل ہوتا ہے، اُسی کا خادم ہوتا ہے اور اُسی کی تشفی کے لیے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اس طرح ہر ایک نے نصب العین کے خاص انسانی امتیاز کی اہمیت کو ختم کر کے اس کی جگہ انسان کی جبلّتی یا حیوانی سرشت کی اہمیت کو قائم کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ انسان ایک حیوان ثابت ہو اور یہ ظاہر ہو کہ اُسے بھی حیوان کی طرح خدا کی ضرورت نہیں لیکن حقائق کو جھٹلایا نہیں جا سکتا، کوئی شخص محض استدلال سے نہ انسان کو حیوان ثابت کر سکتا ہے اور نہ سونے کو مٹی۔ یہی سبب ہے کہ ان حکماء میں سے ہر ایک کا استدلال عقلی اور علمی لحاظ سے غلط اور ناقص اور غیر تسلی بخش ہو کر رہ گیا ہے۔

خودی اور فرائڈازم

مثلاً فرائڈ (FREUD) کا خیال ہے کہ اعمالِ انسانی کی اصل قوتِ محرکہ جبلتِ جنس (Sex Instinct) ہے جس کا مرکز انسان کا لاشعور ہے۔ جو کچھ انسان کرتا ہے اُس کا مقصد بالواسطہ یا بلاواسطہ یہ ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح اپنی لامحدود جنسی خواہشات کی مکمل تشفی کا سامان بہم پہنچائے۔ باقی رہا یہ سوال کہ فطرتِ انسانی میں نصب العین کی محبت کا مقام کیا ہے اور کیوں جبلتِ جنس کی بجائے نصب العین ہی انسان کے سارے اعمال پر حکمران نظر آتا ہے، تو فرائڈ اس کا جواب یہ دیتا ہے کہ نصب العین کی اپنی کوئی حیثیت نہیں، وہ صرف جبلتِ جنس کی بدلی ہوئی شکل ہے اور وہ اس طرح کہ جب ایک انسان سماج کی عائد کی ہوئی پابندیوں کے خوف سے اپنی جنسی خواہشات کو آزادی سے مطمئن نہیں کر سکتا تو وہ ذہنی پریشانی

اور بے عزتی دونوں سے بچنے کے لیے یہ فرض کر لیتا ہے کہ وہ جنسی خواہشات کی آسودگی کی بجائے کسی علمی، اخلاقی، مذہبی یا جمالیاتی نصب العین کو چاہتا ہے۔ اس طرح اُس کی جنسی خواہشات بدل کر نصب العین کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔

چونکہ فرائڈ فطرت انسانی میں انسان کے نصب العین کے صحیح مقام کو نظرانداز کرتا ہے' اس کے نظریہ میں علمی اور عقلی نقطہ نظر سے کئی خامیاں اور کمزوریاں پیدا ہو گئی ہیں اور اس پر کئی معقول اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ مثلاً:

۱۔ اس دعویٰ کی دلیل کیا ہے کہ نصب العین کی اپنی کوئی حقیقت نہیں بلکہ وہ جبلتِ جنس کی ایک بدلی ہوئی صورت ہے۔ کسی دلیل کی عدم موجودگی میں یہ کیوں نہ سمجھا جائے کہ نصب العین کی خواہش انسان کی اصلی اور حقیقی خواہش ہے اور جنسی خواہش کی ایک بدلی ہوئی صورت نہیں۔ تعجب ہے کہ فرائڈ اس دعویٰ کو ثابت کرنے کی مشکلات کا سامنا نہیں کرتا، تاہم وہ اپنے نظریہ کی بنیاد ہی اس پر رکھتا ہے۔

۲۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آسکتی کہ وہ ناپاک اور شرمناک جنسی خواہشات' جن کو انسان سماج کے خوف سے مطمئن نہیں کر سکتا بلکہ جن کے خیال کو بھی ایک جرم سمجھ کر چھپاتا ہے' وہ خواہشات کس طرح ایک پاکیزہ مذہبی یا اخلاقی نصب العین میں بدل سکتی ہیں۔

۳۔ اگر نصب العینی خواہشات ناپاک جنسی خواہشات کی بدلی ہوئی شکل ہیں تو وہ بدلنے کے عمل میں ناپاک سے پاک کیوں ہو جاتی ہیں اور کسی دوسری قسم کی ناپاک خواہشات میں کیوں نہیں بدلتیں' اور پھر وہ نصب العینی خواہشات سے پیدا ہونے کے باوجود ان کی مخالفت کیوں کرتی ہیں اور یہ مخالفت اس حد تک کیوں چلی جاتی ہے کہ انسان نصب العین کی خاطر بعض وقت اپنی جائز جنسی خواہشات کو بھی مطمئن کرنے سے گریز کرتا ہے' مثلاً جب ایک انسان کسی بلند نصب العینی مقصد کے لیے شادی کرنے سے انکار کر دے۔

۴۔ اگر جبلتِ جنس بدل کر نصب العین بن جاتی ہے تو جبلتِ تغذیہ، جبلتِ استیلاء، جبلتِ انقیاد، جبلتِ غضب، جبلتِ فرار اور جبلتِ امومت میں سے ہر ایک کیوں نہیں بدلتی ہے اور پھر جب جبلتِ جنس انسان اور حیوان دونوں میں موجود ہے تو وہ انسان میں کیوں بدلتی ہے حیوان میں کیوں نہیں بدلتی ؟

۵۔ جبلت جنس فقط جوانی میں نمودار ہوتی ہے تو پھر اگر انسانی اعمال کی قوتِ محرکہ دہی ہے تو وہ اعمال جو جبلتِ جنس کے نمودار ہونے سے پہلے صادر ہوتے ہیں وہ اس جبلت کی پیداوار کیوں کر ہو سکتے ہیں؟ اس سوال کے جواب میں فرائڈ یہ کہتا ہے کہ یہ جبلت آغازِ حیات ہی سے موجود ہوتی ہے۔ چنانچہ بچہ کا انگوٹھا چوسنا، ماں کی چھاتیوں سے دودھ چوسنا یا خوراک کا نگلنا یا فضلات اور رطوبات کا خارج کرنا یا لڑکے کا ماں سے اور لڑکی کا باپ سے، بلکہ اس کے فرض کیے ہوئے مقلوب جنسی الجھاؤ کی صورت میں لڑکے کا باپ سے اور لڑکی کا ماں سے محبت کرنا سب جنسی قسم کے مشاغل ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ فرائڈ کا یہ جواب جو جبلتِ جنس کو مضحکہ خیز حد تک وسعت دیتا ہے معقول نہیں۔

۶۔ قدرت نے انسان کی فطری خواہشات کے ساتھ ایک قسم کی راحت اور مسرت وابستہ کر رکھی ہے۔ اگر انسان کی نصب العینی مذہبی اور اخلاقی خواہشات اس کی فطری خواہشات نہیں بلکہ اس کی بدلی ہوئی غیر فطری خواہشات ہیں تو ان کی تشفی سے اس کو راحت اور مسرت کیوں حاصل ہوتی ہے اور لوگ ان بگڑی ہوئی غیر فطری خواہشات کو کیوں پسند کرتے ہیں۔ کیونکہ اگر لوگ ان کو پسند نہ کریں تو کوئی شخص ان کی پناہ لے کر سماج میں مقبول نہیں بن سکتا۔

ان اعتراضات کا کوئی معقول جواب ایسا ممکن نہیں جو فرائڈ کے نظریہ کے ساتھ مطابقت بھی رکھتا ہو۔ فلسفۂ خودی کی رُو سے نصبُ العین کی محبت کا جذبہ جبلت جنس کی بگڑی ہوئی یا بدلی ہوئی صورت نہیں بلکہ انسان کی فطرت کا ایک مستقل تقاضا ہے جو انسان کی تمام جبلتوں کو اپنے تصرف میں رکھتا ہے اور یہ جذبۂ محبت صرف خدا کے نصب العین کی محبت سے مستقل اور مکمل طور پر تشفی پا سکتا ہے۔

(جاری ہے)

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے اشاعت کی جاتی ہیں ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔